۱۹۳۶ء

(۱۹۳۶ء میں روحِ انقلاب کے نام سے نظامی پریس لکھنؤ نے شائع کیا)

اے انقلاب مژدۂ عزم و عمل ہے تو — رنگینیٔ حیات کے پودے کا پھل ہے تو
تعمیرِ کائنات نہ صرف آج کل ہے تو — آدم کو باغِ خلد کا نعم البدل ہے تو
گردش بتا رہی ہے یہ لیل و نہار کی
تو ہے دلیل ہستیٔ پروردگار کی

قائم ہے بند و بست جہاں انقلاب سے — ہنگامۂ بہار و خزاں انقلاب سے
روحِ عمل رگوں میں رواں انقلاب سے — ہر دم ہے چرخِ پیر جواں انقلاب سے
محروم انقلاب جو دورِ حیات ہو
دنیائے آب و گل میں نہ دن ہو نہ رات ہو

ہے عالمِ فنا کی بقا انقلاب سے — دلچسپ ہے چمن کی فضا انقلاب سے
ہیں دلربا نسیم و صبا انقلاب سے — خود معتدل ہے آب و ہوا انقلاب سے
فطرت کی حد جمود کی زد سے بلند ہے
ہر پھول اس چمن میں تغیر پسند ہے

عالم جو انقلاب کی تہ میں ہے نو بنو — یہ منزلِ بقا کا مسافر ہے تیز رو
باطل کی رات میں سحرِ معرفت کی ضو — ابرِ بہار قلزمِ نشو و نما کی رو
پیدا جو انقلاب سے جوشِ نمو نہ ہو
سبزے میں آب و رنگ تو پھولوں میں بو نہ ہو

یہ مہر و مہ یہ لالہ و گل اور یہ رنگ و بو — سب زندگی کی راہ میں ہیں گرمِ جستجو
ہر خار و خس کو باغ میں ہے حسرتِ نمو — تبدیلی تمام ہے فطرت کی آرزو
فرسودگی مذاقِ مشیت پہ بار ہے
دورِ خزاں ہی وجہ نشاطِ بہار ہے

جاری یہی ازل سے ہے قانون لم یزل
ممکن نہیں کہ قوت نشو و نما ہو شل
تمہید انقلاب ہے فطرت کا ہر عمل
ہر بیج ایک پھول ہے ہر پھول ایک پھل
اک انقلاب نو کی تمنا لیے ہوئے
ذرے ہیں اپنی گود میں صحرا لیے ہوئے

ہستی کو انقلاب کے دم سے ثبات ہے
دنیا میں ارتقا کی یہ اک کائنات ہے
کس کو تغیرات جہاں سے نجات ہے
بزدل کی موت صاحب دل کی حیات ہے
یہ زندگی ہے روح تفاخر کی زندگی
غازی کا دل جری کا جگر حر کی زندگی

گردش میں کائنات ہے اے محو کائنات
جاری ہیں زندگی میں مسلسل تغیرات
ہر شب کے بعد صبح تو ہر دن کے بعد رات
ہر غیب اک ظہور ہے ہر موت اک حیات
آئینہ رکھ کے سامنے بدر و ہلال کا
کھینچا گیا ہے نقش عروج و زوال کا

انساں کہ دو جہاں میں ہے اک عالم کبیر
شکلیں بدل بدل کے بنا پیکر صغیر
تھا ابتدائے خلق میں یہ کس قدر حقیر
پھر طفل سے جوان ہوا اور جواں سے پیر
یہ سلسلہ جو روز و شب و ماہ و سال ہے
دنیا میں انقلاب کی زندہ مثال ہے

تکمیل کائنات عبارت اسی سے ہے
تہذیب و تربیت کی عمارت اسی سے ہے
یعقوب ارتقا کی بصارت اسی سے ہے
سینے میں دل تو دل میں حرارت اسی سے ہے
بیمار ہو جہاں تو مسیحا ہے انقلاب
قوموں کی زندگی کا سہارا ہے انقلاب

یہ حریت یہ جذبۂ بیداری امم
ہر گام پر ہیں جادۂ ہستی میں پیچ و خم
سب انقلاب ہی کے توابع ہیں بیش و کم
گزرا ہے کاروان تمدن قدم قدم
روحانیت ترقی کامل کا نام ہے
مذہب بھی انقلاب امم کا پیام ہے

اسلام جو ہے سارے مذاہب کا ماحصل — ہے یہ بھی انقلاب کا پیغمبر عمل
چونکا کے جس نے خواب تغافل سے برمحل — منوا دیا کہ عقل ہے اوہام کا بدل
پیدا یہ انقلاب کے سامان ہو گئے
اک دم میں بت پرست مسلمان ہو گئے

اسلام یعنی منبر توحید کا خطیب — فطرت کا سازگار ہے یہ عقل کا نقیب
باطل کی ہر حکایت ناپاک کا رقیب — نباض نفس، روح کے امراض کا طبیب
احساس حریت کا الوہی پیام ہے
جب تو خدا کے غیر کو سجدہ حرام ہے

آزادی و اخوت و انصاف و عقل و دیں — اسلام کے اصول یہ ہیں صاف و دلنشیں
روح ملوکیت ہے نہ رہبانیت کہیں — مافوق عقل کوئی عقیدہ یہاں نہیں
شاہی کا تخت ہے نہ حکومت کا تاج ہے
سکہ خلوص کا تو فقیری کا راج ہے

اک انضباط فرد و جماعت ہے یہ نظام — تنظیم ہر نماز سے ظاہر ہے صبح و شام
روزہ جہاد نفس کی ہے اک صلائے عام — حج بھی ہے اتحاد کا اک مرکزی پیام
خمس و زکات وجہ اخوت عباد میں
عزم ثبات و مشق وفا ہے جہاد میں

اسلام جس کی شاخ ہیں یہ روزہ و نماز — ہے اصل میں اخوت و انسانیت کا راز
یہ دین اک طرف تو ہے روحانیت نواز — اور دوسری طرف ہے معیشت کا چارہ ساز
یہ اولیں سبق ہے تمدن کے باب کا
یہ آخری ورق ہے خدا کی کتاب کا

یہ دین جس کے فیض سے عالم ہے بہرہ مند — ہے امتیاز نسل و وطن سے کہیں بلند
نوع بشر کو بام ترقی کی اک کمند — پابندیاں ہزار پھر آزاد قید و بند
سر سے جو قطع ہوتی ہے وہ سہل راہ ہے
سجدے میں جو ہوئی وہ شہادت گواہ ہے

یہ دینِ مصطفےٰ ہے اخوت کا ذمہ دار　　علم و عمل سے دفعِ جہالت کا ذمہ دار
حقانیت سے کشفِ حقیقت کا ذمہ دار　　صبر و رضا سے طاقت و عظمت کا ذمہ دار
جس میں جہاد عزم و عمل فرضِ عین ہے
بانی نبی ہیں جزوِ متمم حسین ہے

جو انقلابِ عالمِ فطرت تھا وہ حسین　　جو سرفروشِ حق و صداقت تھا وہ حسین
جو فاتحِ جہانِ شہادت تھا وہ حسین　　جو محرمِ ضمیرِ مشیت تھا وہ حسین
صبر و سکون حد سے زیادہ لیے ہوئے
سینے میں کبریا کا ارادہ لیے ہوئے

جو بندگی میں خواجۂ دوراں تھا وہ حسین　　جو زندگی میں جذبۂ یزداں تھا وہ حسین
جو تشنگی میں کوثرِ عرفاں تھا وہ حسین　　جو بیکسی میں حشر بداماں تھا وہ حسین
روشن جو آفتابِ قیامت تھا دھوپ میں
گویا شفاعت آئی تھی انساں کے روپ میں

جو پاسبانِ شرعِ مطہر تھا وہ حسین　　جو دو جہاں میں عالمِ اکبر تھا وہ حسین
جو منزلِ حیات کا رہبر تھا وہ حسین　　جو خون میں شریکِ پیمبر تھا وہ حسین
احمد کا تھا مثیل، مگر بے مثال تھا
احساسِ عبدیت میں الوہی جلال تھا

اک آدمِ جہانِ وفا خصلتِ حسین　　یعقوبِ امتحان بلا سیرتِ حسین
ایوب صبر و نوح رضا فطرتِ حسین　　نازِ عبودیت بخدا طاعتِ حسین
بخشا تھا حق نے خود جسے صبر و رضا کا تاج
جس نے فنا کے ہاتھ سے پہنا بقا کا تاج

جو بے نیازِ عالمِ فانی تھا وہ حسین　　جو دو جہاں میں حق کی نشانی تھا وہ حسین
جو روحِ حریت کی جوانی تھا وہ حسین　　جو اک نئی حیات کا بانی تھا وہ حسین
وہ جس نے زندگی کا قرینا سکھا دیا
مر کر خدا کی راہ میں جینا سکھا دیا

خلقِ عظیم کا جو سراپا تھا وہ حسین — دینِ قویم کا جو مسیحا تھا وہ حسین
رمزِ قدیم کا جو شناسا تھا وہ حسین — ذبحِ عظیم کی جو تمنا تھا وہ حسین
قدرت گواہ جس کی صداقت کے واسطے
حق منتظر تھا جس کی شہادت کے واسطے

جو اک حریفِ قوتِ باطل تھا وہ حسین — جو زورِ کردگار کا حامل تھا وہ حسین
مثلِ نبی جو رہبرِ کامل تھا وہ حسین — قرآں کے ساتھ حق کی جو منزل تھا وہ حسین
کھولی تھی آنکھ جس نے رسالت کی گود میں
جو ہو گیا شہید مشیت کی گود میں

جو روحِ زندگی کا تکلم تھا وہ حسین — جو سازِ بندگی کا ترنم تھا وہ حسین
جو شاہدِ وفا کا تبسم تھا وہ حسین — جو قلزمِ عمل کا تلاطم تھا وہ حسین
ہمت ہر اک نے جس کے مقابل میں ہار دی
جس نے لہو میں ڈوب کے کشتی ابھار دی

وہ کربلا کے بن میں چمن بندِ کائنات — باطل کے اک ہجومِ ضلالت میں حق کی ذات
وہ تین دن کی پیاس میں اک چشمۂ حیات — وہ دوپہر کی دھوپ میں اک سایۂ نجات
ہستی کو جس نے شوق کا حاصل بنا دیا
جو ذرہ چن لیا اسے اک دل بنا دیا

فطرت کی خوبیوں کا کرشمہ بصد جمال — قدرت کی عظمتوں کا نمونہ دمِ جلال
لب چومتی تھی جس کے رسالت کی بول چال — قرآں کا دور جس کا مقلد وہ چال ڈھال
خود دار تھا دلیر تھا صابر تھا شیر تھا
ایسا تھا سیر چشم کہ جینے سے سیر تھا

وہ کشتگانِ خنجرِ الحاد کا مسیح — قرآن بولتا ہوا جس کا لبِ فصیح
جس نے کیا صحیفۂ انسانیت صحیح — خوابِ خلیل، مرکزِ قربانی ذبیح
تنہا نہ خود ہی فدیۂ ربِ کریم ہے
بچہ بھی گود میں ہے تو ذبحِ عظیم ہے

صدق و صفا میں طاق تو مہر و وفا میں فرد
ہمدرد خلق عرصۂ عزم و عمل کا مرد
پڑھ پڑھ کے آیتیں متواتر دم نبرد
ان کو دوا بتاتا تھا جو دے رہے تھے درد
اس کا یہ انکسار جو حق کو پسند تھا
سر تن کے کٹ چکا تھا مگر سربلند تھا

احیائے حق کی دل میں تمنا لبوں پہ دم
قید بلا میں پیکرِ آزادیِ امم
آفت میں یہ ثبات مصیبت میں یہ حشم
لرزاں تھی کائنات نہ کانپے مگر قدم
رگ رگ میں جوش، جوش میں صبر و سکون تھا
حیدر کی تربیت تھی، محمد کا خون تھا

ویرانۂ جہاں میں تمدن کا اک چراغ
وہ ارتقا کا دل تو وہ تہذیب کا دماغ
باغِ وفا کے لالہ و گل جس کے دل کے داغ
شاداب جس کی شبنم خوں سے عمل کا باغ
ہاں اے حسین ظلمت باطل میں حق ہے تو
قرآن انقلاب کا پہلا ورق ہے تو

پروائے درد و کلفت و رنج و بلا نہ کی
احساس غم میں زحمت آہ و بکا نہ کی
کیسی بکا شکایت جور و جفا نہ کی
منہ میں زبان ہوتے ہوئے بد دعا نہ کی
دل کی تڑپ پہ تجھ کو جو یہ اختیار ہے
تو فطرت جدید کا پروردگار ہے

اے شاہد حریم نیاز اے شہیدِ ناز
اسلام تیرے پرچم عظمت سے سرفراز
تو درسِ عزم کا ہے معلم عمل نواز
خیر البشر کا رمز تو خیر العمل کا راز
یہ اصل ہے جہان میں تیرے اصول کی
سر دے دیا نہ بیعت فاسق قبول کی

کی ہیں قدم قدم پہ جو حق کی رفاقتیں
گھر کر گئی ہیں دل میں حسینی صداقتیں
اے کربلا ملی ہیں تجھے یہ سعادتیں
دب دب کے رہ گئیں ترے حق سے ضلالتیں
فطرت بھلا سکے گی یہ احسانِ کربلا
گہوارۂ عمل ہے بیابانِ کربلا

اے کربلا نشیمن کرب و بلا ہے تو اے ارضِ پاک نسخۂ خاکِ شفا ہے تو
اک کعبۂ طریقت عشق و وفا ہے تو اک جنتِ شریعت نشو و نما ہے تو
ہر ذرہ ترا حق طلب و حق سرشت ہے
تو صبر کی زمیں پہ عمل کا بہشت ہے

اے وعدہ گاہ ذبح عظیم اے حریم ناز تو حسن کا عراق ہے تو عشق کا حجاز
تو عرش انکسار ہے تو کرسیِ نیاز تو کائنات شوق میں ہے اک جہان راز
بھاری ہے ذرہ ذرہ ترا مشرقین پر
دونوں جہاں کو ناز ہے تیرے حسین پر

انسانیت تھی جب ستم و جور سے غلام نوع بشر کو تو نے دیا عدل کا پیام
ہند و عراق و بابل و آشور و مصر و شام لیں تجھ سے درس عزم و عمل ملتیں تمام
تیری یہ سرزمین حقیقت کی کان ہے
پنہاں یہیں کہیں بشریت کی جان ہے

اے ارض نینوا تری عظمت ہے جاوداں تو زندگی کی روح ہے تجھ کو فنا کہاں
تو ہے جہانِ پیر میں تا حشر نوجواں گلدستۂ بہار ابد ہے تری خزاں
شورش کو جس قدر تھا ابھرنا ابھر چکی
کیا تجھ کو خوف تجھ پہ قیامت گزر چکی

تیری شہادتیں ابدی کامرانیاں بچوں کے جوش علم و عمل کی جوانیاں
سینوں کے زخم طاقت پاکی نشانیاں اسلام کے شباب کی رنگیں کہانیاں
بڑھتا ہوا شکوہ شہیدان کربلا
تاریخ لکھ رہی ہے بعنوانِ کربلا

بالا نہ کیوں ہو تیری کتاب وفا کا بول تیرے لباس صدق و صفا میں شکن نہ جھول
میزان عدل میں لحد بے زباں کو تول تیرا یہ ایک ذرہ ہے دونوں جہاں کا مول
یہ گل کہاں تھے گلشن عنبر سرشت میں
تجھ سے ہی یہ بہار گئی ہے بہشت میں

اے سجدہ گاہ خلق تری سرزمیں ہے پاک　　توحریت پناہ ہے اے کربلا کی خاک
کتنا ترا فسانہ خونیں ہے درد ناک　　ماتم میں تیرے سارا زمانہ ہے سینہ چاک
گل ہے چراغ عظمت شام و دمشق کا
جذبہ ہے سب کے دل میں مگر تیرے عشق کا

کیونکر نہ ہو حسین کا ماتم جہاں میں عام　　انسانیت کو یہ بشریت کا ہے پیام
ایسا پیام ہے جو نئے عہد کا نظام　　ایسا نظام ہے جو مساوات کا امام
ظالم کا غیر ہے نہ یگانہ شریک ہے
مظلوم کا تمام زمانہ شریک ہے

بزم عزا میں ترکِ محبت سے کام کیا　　آہ و بکا کی صف میں عداوت سے کام کیا
ہمدردیوں کو فقر و امارت سے کام کیا　　فطری کشش کو مذہب و ملت سے کام کیا
ہر رنگ میں ہے ذکر عزا ہر زبان میں
پابند نے نہیں کوئی نالہ جہان میں

تحریک غم گلا تہ خنجر حسین کا　　پیغام آہ خاک کا بستر حسین کا
تصویر درد لاشہ بے سر حسین کا　　اشک آفریں سکوت کا نشتر حسین کا
بچے کا خون منہ پہ شفاعت کے واسطے
ضرب شدید ہے دلِ فطرت کے واسطے

واللہ بے کسی سے عجب کام ہو گیا　　ضبط فغاں سے شاہ کا غم عام ہو گیا
تشہیر جب یہ قافلہ تا شام ہو گیا　　قاتل تمام خلق میں بدنام ہو گیا
وہ شوکتیں ہیں اب نہ یزید پلید ہے
زندہ ہے وہ جو راہ خدا کا شہید ہے

ظالم یزید فاسق و بدکار و بد شعار　　بدنفس بے نماز مغنی شراب خوار
دیں کے لباس میں سگ دنیائے نابکار　　بوجہل وقت عہد جہالت کی یادگار
ڈرتا نہ تھا خدا سے خودی کا مرید تھا
ابلیس پر غرور بہ شکل یزید تھا

سلطان ظلم و جور سفیہ و ستم ظریف
نذرِ گناہ جس کا ہر اک جوہرِ لطیف
روحِ خبیث پیکرِ بد عنصرِ کثیف
اللہ کی زمیں پہ خود اللہ کا حریف
دستِ ریا میں دامنِ ایماں لیے ہوئے
سینے میں کفر ہاتھ میں قرآں لیے ہوئے

کھولے ہوئے نفاق کا پرچم بصد غضب
جڑ دینِ حق کی کاٹ رہا تھا عدوے رب
تھی تیغ شر سے ملتِ مرحوم جاں بلب
کچلا گیا تھا جذبۂ آزادئ عرب
آتا تھا قولِ حق سے جو دھبا شریر پر
پہرے بٹھا دیے تھے صدائے ضمیر پر

پنجے میں نفس کے جو پھنسا تھا ہر اک نفس
ظالم کی سلطنت تھی کہ سونے کا اک قفس
اک لشکرِ گناہ چپ و راس و پیش و پس
حوا کی بیٹیوں کا گنہگار بوالہوس
رہتا تھا اک گناہ کی زد میں ہر ایک رات
سوتا زیانے کھانے کی حد میں ہر ایک رات

تھا اس کا دین شاہد و چنگ و رباب و نے
مرغوب تھی نشاط و طرب کی ہر ایک شے
تھا شور بارگاہِ خلافت میں پے بہ پے
مطرب بزن ترانہ و ساقی بیار مے
تازہ بتازہ عیش کی دنیا سجائے جا
ہاں گائے جا امنگ سے، ہاں ہاں پلائے جا

ظالم کے عہدِ جور میں امت کے تھے امیر
کچھ عالمانِ بے عمل و مفسد و شریر
آزارِ عقل و فہم و نظر، حرص کے اسیر
خود بیں جو تھا امیر تو بے پیر دستگیر
مردہ تھی روحِ قوتِ حس محوِ خواب تھی
بغضِ ابوتراب سے مٹی خراب تھی

زہد و ورع کا نام بھی لیتا نہ تھا کوئی
زاہد کا تو سلام بھی لیتا نہ تھا کوئی
نذرِ خدا طعام بھی لیتا نہ تھا کوئی
بے مے قمر کا جام بھی لیتا نہ تھا کوئی
فاسق تھا وہ بھی جس کا بڑا اعتبار تھا
حد ہو گئی کہ مفتیِ دیں بادہ خوار تھا

خارج تھا ان کے سال سے گویا مہ صیام — کرتے تھے دور ہی سے نمازوں کو وہ سلام
خم کا جو تھا قعود تو مینا کا تھا قیام — کرتا تھا بار بار رکوع و سجود جام
سب کی نظر میں بنت عنب کا جمال تھا
مے اک طرف کہ خون شریعت حلال تھا

قانون سلطنت جورہ حق میں تھا خموش — مفتی تھے مفت خوار تو قاضی قلم بگوش
تھے فیصلوں میں عذر کے جویا بہانہ کوش — جذبات بیچتے تھے وہ انسانیت فروش
صدق و صفا کی مے سے جو خالی ایاغ تھا
سجدہ بھی ان کا دین کے ماتھے پہ داغ تھا

ایماں فروش سر پہ چڑھا کر طلا کا جھول — کرتے تھے مکر و زور کی میزان میں ناپ تول
باقی تھی کچھ خلوص کی قیمت نہ حق کا مول — غائب ہوا تھا مغز فقط رہ گیا تھا خول
اک شور تھا کہ نعمت لطف یزید لو
دین اپنا بیچ بیچ کے دنیا خرید لو

پیوست تھا جو ان کی رگوں میں سلف کا خوں — ابھرا تھا جاہلیت سابق کا پھر جنوں
مسلم برائے نام تھے اور کام تھے زبوں — اسلام کے اصول تھے غیرت سے سرنگوں
ہوتی تھی لعن آلِ رسولِ کریم پر
جاہل چڑھے تھے منبرِ خُلقِ عظیم پر

خطبوں میں مدح آل امیہ کی تھی پکار — تھا گرم منبروں پہ خیانت کا کاروبار
ڈھلتی تھیں صبح و شام احادیث بے شمار — قرآن بے مفسر و تفسیر بے وقار
ہر کور دل امام ہدایت مآب تھا
ہر کور چشم حافظ ام الکتاب تھا

نوع بشر تھی ننگ غلامی سے داغ داغ — پہرے میں تھی زباں تو شکنجے میں تھا دماغ
آزادئ خیال کا ملتا نہ تھا سراغ — گل تھا دیار شام میں اسلام کا چراغ
امت ذلیل تھی جو ضلالت کے عیب سے
اک مردِ حق نما کی ضرورت تھی غیب سے

وہ مردِ حق نما خضر امت رسول مشکل کشا کا لال، جگر گوشہ بتول
باطل کے عہد ظلم میں خوددار و با اصول جیسے کہ سیل تند کی زد پر کنول کا پھول
بیتاب جس کا جوش ابھرنے کے واسطے
پالا تھا جس کو عزم نے مرنے کے واسطے

دل تھا ادائے فرض شہادت کو بے قرار سمع قبول منتظر حکم کردگار
آنکھیں وفا کی راہ میں تھیں محو انتظار گردن کو تیغ تیز کی حسرت تھی بار بار
حق تھا قریب تر جو رفاقت کے واسطے
شہرگ تڑپ رہی تھی شہادت کے واسطے

ناگاہ ظلم و جور کا امڈا جو اک سحاب پیدا ہوا فضائے شریعت میں انقلاب
آئی ندائے غیب کہ اے جانِ بوتراب اب وقت آگیا ہے کہ باطل ہو بے نقاب
سر دے کے کفر و شرک کی گردن کو توڑ دے
اٹھ اور اٹھ کے ظلم کا پنجہ مروڑ دے

یہ سن کے شیر بیشۂ غم نے کسی کمر توشے میں صرف حق کو لیا اور کیا سفر
تاریخ کہہ رہی ہے یہ اب تک پکار کر تھے ساتھ کچھ عزیز، کچھ احباب معتبر
گھر سے چلے تھے گھر کے لٹانے کے واسطے
کچھ بی بیاں تھیں قید میں جانے کے واسطے

وہ منزلیں کڑی وہ ہر اک راہ پر خطر گرمی کی فصل لو کے تھپیڑے کہ الحذر
ناموس کا وہ ساتھ مخالف وہ دشت و در مرجھا رہے تھے دھوپ میں سب غنچہ ہائے تر
گزرے جہاں سے تازہ مصیبت وہاں ملی
کعبے میں بھی نہ بے وطنوں کو اماں ملی

لیکن بہ ایں مصائب و آفات بے حساب تھا خضر دیں رواں صفت عزم کامیاب
اس کاروان شوق کی عظمت تھی بے حساب ہر گام راستی و صداقت کا تھا شباب
ہر اک نفس پیام تھا تازہ حیات کا
ہر سانس مد و جزر تھی بحر نجات کا

اللہ رے کاروانِ جگر گوشۂ بتول — سالار جس کا فدیۂ حق نائبِ رسول
ناقوں پہ اہل بیت نہ غمگیں نہ دل ملول — صحرا میں کھل رہے تھے ریاضِ وفا کے پھول
لیتے تھے کربلا کے مسافر نہ دم کہیں
رکتے ہیں خضرِ راہِ طلب کے قدم کہیں

یوں رہ نوردِ عزم و عمل تھا یہ کارواں — جس طرح کوئی طالبِ مجبور و نیم جاں
شوقِ لقا میں کوچۂ دلبر کو ہو رواں — ناگاہ حدِ منزلِ مقصد ہوئی عیاں
رک رک کے رہروانِ محبت نے دم لیے
اٹھ اٹھ کے خاکِ پاک نے شہ کے قدم لیے

اترے جو راحلوں سے شہیدانِ امتحاں — تھی ان دنوں غضب کی وہ گرمی کہ الاماں
برسا رہا تھا آگ شب و روز آسماں — ٹھہرے لبِ فرات مدینے کے میہماں
دم بھی نہ لینے پائے کہ بن تھرتھرا گیا
دریا پہ فوجِ شام کا طوفان آ گیا

بڑھ بڑھ کے پُرغرور پکارے یہ دم بدم — خیمے اٹھاؤ نہر سے اس جا رہیں گے ہم
بپھرے یہ شور سن کے جو عباسِ ذی حشم — شہ بولے ٹھہرو بھائی مرے خون کی قسم
ہم شر بڑھائیں گے نہ کبھی اپنی ذات سے
کہہ دو۔ اٹھائے لیتے ہیں خیمے فرات سے

اٹھے غریب نہر سے۔ ٹھہری سپاہِ شام — جلتی زمیں پہ شاہ کے برپا ہوئے خیام
لائے شقی جو بیعتِ فاسق کا پھر پیام — بولے بشکوہ و شوکتِ حق سے شہِ انام
امیدِ جور فاطمہ کے نورِ عین سے
یہ تو کبھی ہوا ہے نہ ہوگا حسین سے

سالارِ فوج نے جو سنا صاف یہ جواب — کھائے وفورِ غیظ سے ظالم نے پیچ و تاب
چاروں طرف سے گھیر کے مظلوم کو شتاب — تھی ساتویں کہ بند کیا بے وطن پہ آب
سیراب ہو رہے تھے ستمگار نہر سے
محروم تھا نبی کا پسر ماں کے مہر سے

سرشارِ امتحاں تھے مگر جانِ بوتراب — اس پیاس میں نہ رخ پہ تھی زردی نہ اضطراب
حجت تمام کرنے کو جب مانگتے تھے آب — بے شرم فخر و ناز سے دیتے تھے یہ جواب
جب تک نہ سر یزید کے آگے جھکاؤ گے
رگڑو گے ایڑیاں بھی تو پانی نہ پاؤ گے

سن سن کے یہ خلاف ادب فوج کا کلام — بڑھتے تھے بار بار علمدار نیک نام
غازی کو روک روک کے فرماتے تھے امام — امت پہ اور یہ غیظ و غضب میرے لالہ فام
دین نبی کی لاج تمہارے ہی ہاتھ ہے
اتنا رہے خیال کہ صابر کا ساتھ ہے

سن سن کے یہ کلام امام فلک وقار — بڑھتا تھا دل میں شوق شہادت کا بار بار
مرنے کو طفل و پیر و جواں سب تھے بیقرار — زہرا کے لال تیری قیادت کے ہم نثار
بھیجا جو قتل گاہ میں لب چوم چوم کے
بچے بھی تیغیں کھانے لگے جھوم جھوم کے

ایک ایک کرکے ہونے لگے ذبح دل کے چین — دریا دلی سے گھر کو لٹانے لگے حسین
دم توڑتے تھے آنکھوں کے آگے جو نورِ عین — سبط نبی کے صبر پہ روتے تھے مشرقین
چہرے پہ ضبط و صبر کی چادر جو ڈال لی
انسانیت کی ڈوبتی کشتی سنبھال لی

پیٹا نہ سر کسی مہ انور کی لاش پر — ماتم کیا نہ قاسم مضطر کی لاش پر
تھاما فقط کمر کو برادر کی لاش پر — یاد آ گئے نبی علی اکبر کی لاش پر
دل سے کہا۔ یہ ظلم بھی سہہ لے جہان کا
پیری میں ہم اٹھائیں گے لاشہ جوان کا

مقتل میں گرچہ روح پیمبر تھی نوحہ گر — چشم حسین اشک سے لیکن ہوئی نہ تر
باندھی جواں کی لاش اٹھانے کو خود کمر — انصار کو مگر نہ بلایا پکار کر
اتنا کہا فقط کہ برادر کدھر گئے
عباس کچھ سنا علی اکبر بھی مر گئے

اکبر کے بعد اور بھی محشر بپا ہوا
صابر سے چھ مہینے کا بچہ جدا ہوا
غنچوں پہ کب یہ ظلم جہاں میں روا ہوا
نازک گلا نشانۂ تیرِ جفا ہوا
قائم جفا و جور کی تمثیل ہو گئی
قربانی حسین کی تکمیل ہو گئی

تھی گرچہ الفت پدری سے نہ دل کو تاب
فطرت سے لڑ رہا تھا مگر جان بوتراب
دل رو کے کہہ رہا تھا کہ اے دلبر رباب
اس امتحان میں بھی ہوا باپ کامیاب
اب تم بھی سنبھلو، ہم بھی کلیجہ سنبھال لیں
ہمت کرو کہ تیر گلے سے نکال لیں

ننھے سے باوفا تری جرات کے میں نثار
یوں کھیلتے ہیں تیروں سے حیدر کے گلعذار
اک امتحاں یہ اور ہے اے لال ہوشیار
بابا کا دل تڑپ کے نہ کر دیجو بے قرار
کھینچا یہ کہہ کے تیر تو صدمے گزر گئے
آنکھیں پھرا کے اصغر بے شیر مر گئے

بس اے نسیم روک لے خامے کو اب ذرا
سن جبرئیل کہتے ہیں واللہ مرحبا
ہٹ کر جو طرز عام سے یہ مرثیہ کہا
اس وادی کہن میں یہ جادہ نیا بنا
اک تازہ طرز فکر کا سورج طلوع ہے
دورِ جدید مرثیہ گوئی شروع ہے